برصغیر میں قرآن فہمی کے رجحانات اور اثرات

ڈاکٹر عبید الرحمان محسن*

ڈاکٹر حافظ محمد حماد**

The literature of exegesis in subcontinent is multidimensional and comprises of different tastes and ways of thinking. Many schools of thought and institutions of exegesis appeared here. If Athari (under the influence of Hadith) school of thought works here at one side, the rational, Farahi and deviate institutions can also be seen active on the other side. Then despite the attachment to a particular school of thought, many other factors can also be seen to affect this literature of exegesis; like requirements of the age and its circumstances, the ability, culture and personal tendency of exegete etc. In this article, it has been tried to present a comprehensive synopsis of exegetive trends of subcontinent, in which it has been analyzed that which sort of trends and tendencies usually appeared in different periods in literature of exegesis here. As a result of that, the researcher found out that exegesis have been compiled here under a many trends and tendencies; out of which, some trends seemed to be unique in the literature of exegesis.

قرآن مجید ایسی مشعل ہدایت اور منبع نور و ہدایت ہے جس سے روز قیامت تک کے لیے تمام افراد عالم راہنمائی حاصل کرتے ہیں گے، بالخصوص امت مسلمہ کے لیے تو یہ قانون کا مصدر اور احکام و مسائل کے استنباط کے لیے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے، اور پھر کلامی الہی ہونے کے ناطے سے یہ اہل اسلام کے لیے ان کی محبتوں اور چاہتوں کا مرکز و محور بھی ہے، چنانچہ روز اول سے ہی قرآن فہمی مسلمانوں کے لیے اولین ترجیح رہی ہے۔

چونکہ عقل و فہم اور اہلیت و لیاقت میں تمام لوگ مساوی نہیں ہیں اور پھر ہر دور کے حالات اور تقاضے مختلف رہے ہیں، نیز ثقافت و طبعی میلان اور دیگر عوامل کی بنا پر قرآن فہی کے حوالہ سے مختلف رجحانات سامنے آتے رہیں ہیں۔ اس تناظر میں برصغیر کا علاقہ ایک خاص امتیاز رکھتا ہے، زیر نظر مضمون میں برصغیر ہی کے قرآن فہمی کے رجحانات کا ایک عمومی تعارف اور جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

ابتداء ضروری محسوس ہوتا ہے کہ چند تشابہ اصطلاحات کی وضاحت کر دی جائے، منہج، رجحان اور اسلوب کی اصطلاحات بالعموم استعمال کی جاتی ہیں، ان میں فرق واضح ہونا ضروری ہے۔

* لیکچرار، گورنمنٹ ڈگری کالج، حجرہ شاہ مقیم۔

** لیکچرار، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، خانیوال۔

عربی زبان میں منہج، منہاج، اور نہج سے مراد واضح راستہ ہے۔[1]

گویا تفسیر قرآن میں مفسر اپنے لیے جو واضح راستہ متعین کرتا ہے وہی اس کا منہج ہوتا ہے، اس میں مفسر کے نظریات وافکار، اس کے طے کردہ اصول وضوابط بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

رجحان اردو زبان میں مستعمل ہے جو کہ اتجاہ کا ترجمہ ہے، اتجاہ وجہۃ سے ہے اور وجہۃ کی وضاحت کرتے ہوئے، لسان العرب میں مرقوم ہے:

"والجِهَةُ والوِجْهَةُ جميعاً الموضعُ الذي تَتَوَجَّهُ إليه وتقصده"[2]

گویا وجہہ سے مراد کسی انسان کا رخ، منزل، اور قبلہ ہے۔

اس کی اصطلاحی تعریف میں ڈاکٹر فہد الرومی لکھتے ہیں

"هو الهدف الذي يتجه إليه المفسرون بتفاسيرهم، ويجعلونه نصب أعينهم وهم يكتبون ما يكتبون"[3]

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ رجحان درحقیقت مفسر کا بنیادی تفسیری ہدف ہوتا ہے، اس لئے یہ بار بار اس کی تفسیر میں نمایاں نظر آتا ہے، اگر مفسر لغت وادب کا ماہر ہے، تو اس کی تفسیر میں لغوی وادبی رنگ نمایاں ہوگا، یہی اس کا رجحان غالب ہوگا، اگر مفسر کا مقصد احادیث وآثار کو جمع کرنا مقصود ہے تو اثری رجحان غالب دکھائی دے گا . ایک اور اہم اصطلاح اسلوب تفسیر ہے، جسے طریقۃ التفسیر بھی کہا جاسکتا ہے، اس میں زیادہ تر تفسیر کی ظاہری شکل وصورت، تشریح کی ترتیبات، الفاظ وکلمات کا انتخاب اور اس طرح کی چیزیں دیکھی جاتی ہیں.

یہ بات قابل ذکر ہے کہ تفسیری رجحان متعین کرتے ہوئے غالب اکثریت دیکھی جاتی ہے، وگرنہ رجحانات میں قطعی حد فاصل کھینچنا ہی ممکن نہیں[4]

شاہ ولی اللہؒ نے علمی حوالے سے تفسیری رجحانات کی سات اقسام بتلائی ہیں۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''ليعلم أنالمفسرين فرقمختلفة: جماعة منهم قصدوا روايةآثار مناسبةللآيات حديثا مرفوعا كاناً وموقوفاً، أوقولتابعي، أو خبراسرائيلي، وهذا مسلك المحدثين۔ وفرقة منهم قصدوا اتأويل آيات الصفات والأسمآء فمالم يكنموا فقال مذهب التنزيه صرفوه عن الظاهر، وردوا على المخالفين تعلقهم ببعض الآيات، وهذاطريق المتكلمين۔ وقوم استنبطوا أحكاما فقهية، وترجح بعض المجتهدا تعليبعض، وأوردوا الجواب عن تمسك المخالف، وهذا طريق الفقها الأصوليين۔ وجمعاً وضح وانحوالقرآن ولغته، وأوردواشواهدا لكلام العرب في كلابابموفورة تامة، وهذا مذهب النحاة اللغويين۔ وطائفة يذكرون نكاتا لمعاني والبيان بياناشافياًفي قضون حقا

لكلام وهذا طريق الأدباء۔ ومنهم من يروى قراءات القرآن المأثورة عن الأساتذة، ولا يترك في هذا الباب دقيقة، وهذه صفة القراء۔ وجماعة يتكلمون بنكات متعلقة بعلم السلوك، أو علم الحقائق لأعجل مناسبة، وهذا مسلك الصوفيين۔[5]

"معلوم ہونا چاہیے کہ مفسرین کے متعدد گروہ ہیں، کچھ ایسے مفسرین ہیں جن کی پیش نظر یہ ہوتا ہے کہ آیات کی مناسبت سے مرفوع، موقوف یا مقطوع آثار روایت کریں، یا کوئی اسرائیلی روایت، یہ محدثین کا انداز ہے۔ کچھ دیگر مفسرین کے پیش نظر یہ ہوتا ہے کہ آیات اسماءوصفات کی تاویل کریں، سو جو آیات ان کے مذہب تنزیہہ سے ہم آہنگ نہ ہو اس کو ظاہری معنی سے ہٹا دیتے ہیں، متکلمین کا طرز تفسیر ہے۔ بعض مفسرین فقہی احکام کا استنباط کرتے ہیں، متفرق اجتہادات کو ایک دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں اور مخالف کے استدلال کا جواب پیش کرتے ہیں، اصولیین فقہاء کا یہ طریقۂ تفسیر ہے۔ کئی مفسرین قرآن مجید کی نحوی ولغوی مباحث ہر موضوع پر کلام عرب کے مکمل ووافر شواہد ذکر کرتے ہیں، یہ ماہرین لغت اور نحویوں کا اسلوب تفسیر ہے۔ بعض دیگر مفسرین ماہرین فن سے منقول قراءات قرآنیہ روایت کرتے ہیں، اور اس حوالے سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے، یہ قراء کی خوبی ہے۔ مفسرین کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو علم سلوک سے متعلقہ معارف زیر بحث لاتے ہیں یا ادنیٰ مناسبت کی بنیاد پر علم الحقائق پر کلام کرتے ہیں اور یہ صوفیاء کا منہج ہے۔"

شاہ صاحب کی درج بالا عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک اگرچہ تفسیر کا میدان وسیع ہے، تاہم اس کے بنیادی رجحانات یہ ہیں:

1۔ اثری رجحان

کچھ اصحاب علم ہر آیت سے متعلقہ مرفوع اور موقوف احادیث بیان کرتے ہیں۔ یا پھر اسرائیلی روایت ذکر کرتے ہیں۔ محدثین کا یہی طرز تفسیر ہے۔ اسے ہم "اثری رجحان" کہہ سکتے ہیں۔

2۔ کلامی رجحان

کچھ مفسرین اسماء وصفات باری تعالیٰ کی آیات میں تاویل و تنزیہہ سے کام لیتے ہیں اور اپنے مخالفین کی تردید کرتے ہیں، یہ متکلمین کا تفسیری رجحان ہے۔ اسے "کلامی رجحان" کا نام دیا جاسکتا ہے۔

3۔ فقہی رجحان

بعض مفسرین آیات مبارکہ سے فقہی احکام و مسائل استنباط کرتے ہیں۔ یہ فقہا کا اسلوب تفسیر ہے۔

4۔ نحوی ولغوی رجحان

مفسرین میں سے کئی اصحاب قلم نحو ولغت سے مانوس ہیں۔ وہ تفسیر قرآن میں نحوی، لغوی مباحث اور شعری شواہد پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں، یہ نحاۃ اور لغویین کا منصب ہے۔

5۔ ادبی رجحان

مفسرین میں سے ایک طبقہ وہ ہے، جو تفسیر قرآنی میں علم معانی وبیان کے نکات اور اسرار و رموز کا کافی و شافی تذکرہ کرتے ہیں، یہ ادبا کا طریقۂ تفسیر ہے۔

6۔ قراءات کا رجحان

کئی مفسرین قرآن مستند قراءات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ قراء کرام کا انداز تفسیر ہے۔

7۔ سلوکی یا اشاری رجحان

بعض مفسرین علم سلوک و تصوف یا علم حقائق کے نکات ولطائف بیان کرتے ہیں، آیات مبارکہ سے انتہائی معمولی مناسبت بھی مل جائے تو وہ اس سے متعلقہ سلوک و تصوف کے معارف بیان کرتے ہیں۔ یہ صوفیا کا طرز تفسیر ہے۔

ڈاکٹر محمد حسین الذہبی (متوفی1977ء) کے نزدیک تفسیری رجحانات کی تقسیم

عالم عرب کے نامور صاحب قلم اور "تاریخ التفسیر والمفسرون" کے مصنف ڈاکٹر محمد حسین الذہبی نے تفسیری رجحانات اور تاریخ تفسیر پر تفصیل کے ساتھ قلم اٹھایا ہے، ان کے نزدیک تفسیری رجحانات کا جو نقشہ سامنے آتا ہے۔ اس کا خلاصہ ذیل میں پیش خدمت ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کے نزدیک تفسیر کی بنیادی اقسام یہ ہیں:

1 تفسیر بالمأثور 2 تفسیر بالرآی الجائز [6]، اس رجحان کی نمائندہ تفاسیر یہ ہیں:

1 تفسیر کبیر 2 تفسیر بیضاوی 3 تفسیر نسفی 4 تفسیر خازن 5 البحر المحیط 6 تفسیر نیشاپوری

7 تفسیر الجلالین 8 9 تفسیر ابی السعود 10 روح المعانی، آلوسی

3 تفسیر بالرآی المذموم، اس کی نمائندہ تفاسیر یہ ہیں:

1 معتزلہ کی تفسیر (مثلا: الکشاف للزمخشری) 2 شیعہ کی تفسیر (امامیہ اثناعشریہ کی تفسیر)

3 شیعہ کی تفسیر (امامیہ اسماعیلیہ کی تفسیر) 4 بابیہ وبہائیہ کی تفسیر 5 زیدیہ کی تفسیر 6 خوارج کی تفسیر

دیگر تفسیری رجحانات: اس کے بعد انہوں نے دیگر تفسیری رجحانات کا بھی مفصل مطالعہ پیش کیا ہے:

1۔ صوفیاء کا رجحان

صوفیاء کا تفسیری رجحان بھی دو قسم پر مشتمل ہے:

(1) نظری رجحان: اس میں ابن عربی کے تفسیری افادات سرفہرست ہیں، جن میں وہ اپنے نظریۂ تصوف کو قرآنی آیات کی تفسیر میں پیش کرتا ہے۔ (2) اشاری فیضی رجحان: اس میں صوفیا نظریات کی بجائے اپنے الہامات اور فیوض کو تفسیر قرآن کے ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

2۔ فلاسفہ کا رجحان

اس میں فارابی، ابن سینا وغیرہ کے فلسفیانہ نظریات کا ذکر آتا ہے۔

3۔ فقہا کا رجحان

فقہا کے تفسیری رجحانات بھی مختلف ہیں۔ تقلیدی مذاہب سے پہلے کے فقہا اپنے مخصوص تفسیری رجحانات رکھتے تھے۔ اور مقلدین فقہا کے اپنے اپنے مخصوص تفسیری مسلکی رجحانات ہیں۔

4۔ سائنسی رجحان

امام غزالی سے لے کر عصر حاضر تک سائنسی تفسیر کی تائید و تصویب اور تردید میں دو مختلف نقطۂ ہائے نظر رہے ہیں لیکن بہر صورت یہ بھی ایک تفسیری رجحان ہے۔

5۔ الحادی رجحان

معجزات، ملائکہ، جنات اور شیاطین کا انکار، نیز اسلامی حدود اور تصورات میں انحراف پر مشتمل رجحان کو ڈاکٹر محمد حسین الذہبی نے الحادی رجحان کا نام دیا ہے۔

6۔ ادبی اجتماعی رجحان

ڈاکٹر محمد حسین الذہبی کے نزدیک عصر حاضر کا یہ ایک نمایاں تفسیری رجحان ہے۔[7]

برصغیر کے تفسیری رجحانات

برصغیر میں تفسیر قرآن مجید پر وقیع اور وسیع علمی مواد موجود ہے۔ اس لحاظ سے یہاں کے تفسیری رجحانات میں کئی لحاظ سے اس درجہ توسع ہے کہ شاید اس طرح کا توسع عالم عرب میں بھی موجود نہیں۔[8]

ذیل میں تفسیر کے چند رجحانات اور ہر رجحان کی ایک نمائندہ تفسیر اور اس کا نمونہ مختصراً پیش کیا جارہا ہے۔

1۔ اثری رجحان (تفسیر مواہب الرحمان)

تفسیر "مواہب الرحمن" سید امیر علی، تفسیر "ترجمان القرآن" نواب صدیق حسن خان، اور تفسیر "احسن التفاسیر" سید احمد حسن محدث دہلوی، اس رجحان کی نمائندہ اور مفصل تفسیرات ہیں۔

تفسیر بسملہ

مواہب الرحمن میں سے بسم اللہ کی مفصل تفسیر میں سے چند اقتباسات بطور نمونہ درج ذیل ہیں، لکھتے ہیں۔

"شیخ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ابن عباس و ابن عمر و ابن زبیر و ابو ہریرۃ و حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ سوائے سورۂ براءہ کے ہر سورہ میں بسم اللہ ایک آیت ہے۔ اور یہی قول تابعین میں سے عطاء طائوس و سعید بن جبیر و مکحول... رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہے۔ اور یہی مذہب عبد اللہ بن المبارک و شافعی و اسحاق و ابو عبید کا ہے۔ اور امام مالک و ابو حنیفہ، ان کے اصحاب نے کہا بسم اللہ سورۂ فاتحہ وغیرہ کسی میں سے آیت نہیں۔ اور دائود ظاہری نے کہا: کہ بسم اللہ ایک آیت مستقلہ ہے، جو کسی سورہ کا جز نہیں، بلکہ ہر سورہ پر لائی گئی ہے، اور یہی امام احمد سے ایک روایت ہے، اور اسی کو ابو بکر الجصّاص الرازی نے ابو الحسن الکرخی سے نقل کیا، اور یہ دونوں اکابر فقہا حنفیہ سے ہیں۔" [9]

فضیلت بسم اللہ کے بارے لکھتے ہیں:

"حضرت ابن عباس روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان نے آنحضرت ﷺ سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پوچھا، تو آپ نے فرمایا: کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ناموں میں سے ایک نام ہے، اور یہ نام اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم سے اس قدر قریب ہے، جیسے آنکھ کی سفیدی و سیاہی میں قربت ہوتی ہے۔ (رواہ ابن ابی حاتم وابن مردویہ)۔"

اور ابو سعید خدری سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: عیسیٰ بن مریم کو ان کی ماں نے معلم کے سپرد کیا تاکہ وہ عیسیٰ کو تعلیم کردے، معلم نے کہا کہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھو، تو عیسیٰ نے کہا: بسم اللہ کیا ہے؟ معلم نے کہا کہ: میں نہیں جانتا ہوں، پس عیسیٰؑ نے فرمایا:

باء، بہائے الٰہی، سین، سنائے الٰہی، میم، مملکت الٰہی ہے، اللہ سب کا معبود مالک ہے، الرحمن دنیا و آخرت میں رحمت والا، الرحیم خاص، آخرت میں رحمت والا (رواہ ابن جریر وابن مردویہ)۔[10]

اس روایت پر تبصرہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شیخ ابن کثیر نے فرمایا: یہ غریب ہے، اور آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہوتی، مگر شاید سلف میں سے کسی کا قول ہو یا نصرانیوں سے روایت ہو۔ واللہ اعلم۔"[11]

پھر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

پس ظاہر اًیہ من جملہ اشارات ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور بنو اسرائیل میں بسم اللہ زمانہ سلیمان سے معروف تھی، پس شاید کہ حضرت عیسیٰu نے معلم کو اس کے بعض اشارات سے متنبہ کیا ہو۔"[12]

صرف بسم اللہ کی تفسیر سات صفحات پر مشتمل ہے، اور اس میں موضوعات، موقوفات، مقطوعات، اسرائیلیات اور اقوال سلف کا رنگ بالکل واضح اور نمایاں ہے۔[13]

اس بنا پر یہ بلا تامل کہا جا سکتا ہے، کہ تفسیر مواہب الرحمن اثری رجحان کی سب سے مفصل اور نمائندہ تفسیر ہے۔

2 کلامی رجحان

برصغیر میں علم کلام ایک خصوصی دل چسپی کا موضوع رہا ہے۔ [14] اور متعدد تفاسیر میں بھی یہ رجحان نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔

جدید کلامی رجحان کی سب سے نمائندہ تفسیر سرسید احمد خان کی "تفسیر القرآن" ہے۔ سرسید احمد خان اپنے عہد کی وہ نامور شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے "زعم" کے مطابق عقائد اسلام کو جدید علم الکلام کے مطابق ثابت کیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان کا جدید علم الکلام کچھ ایسا ثابت ہوا کہ وہ خود عقائد اسلام میں بھی جمہور امت کی راہ سے منحرف ہو گئے۔

سرسید کے اس جدید کلامی رجحان اور ان کے ہم نوا مصنفین نے برصغیر میں ایک نئی فکری بے راہروی و بے باکی کا دروازہ کھول دیا۔ [15] چنانچہ جدید تعلیم یافتہ طبقے کے دل و دماغ میں دینی عقائد و تعلیمات کے بارے میں تشکیک پرورش پانے لگی۔ ایسی صورت حال میں راسخ العقیدہ علمانے "جدید علم الکلام" کے مقابلے میں ایک دوسری نوعیت کے علم الکلام کی داغ بیل ڈالی۔

اور اس طرح "راسخ العقیدہ کلامی رجحان" کی حامل تفاسیر بھی منظر عام پر آئیں۔[16] تفسیر مواہب الرحمن، تفسیر احسن التفاسیر، تفسیر حقانی اور تفسیر ثنائی میں سرسید کے خیالات پر کڑی تنقید کی گئی۔[17] لیکن اس رجحان کی خاص تفسیر، ابو المنصور محمد ناصر الدین دہلوی (1822-1902)[18] کی تفسیر "تنقیح البیان" ہے۔ اس کتاب کے سرورق پر لکھا ہے: "تنقیح البیان، تفسیر القرآن مصنفہ سید احمد خان صاحب بہادر سی ایس آئی کا جواب۔"[19]

اس تفسیر کے مقدمہ میں جناب ابو المنصور لکھتے ہیں:

"ان دنوں اردو تفسیر قرآن مصنفہ سید احمد خان صاحب بہادر، بانی فرقہ نیچریہ وبانی مدرسۃ العلوم علی گڑھ، کو دیکھا، جو کہ علی گڑھ انسٹیٹیوٹ پریس میں 1297 ہجری اور 1880ء کو چھاپی گئی، یہ کتاب 313 صفحہ پر سورہ بقرہ کی تفسیر ہے...۔"[20]

سرسید کی تفسیر پر مزید لکھتے ہیں

"اس تفسیر میں قرآن کے کسی جز و یعنی پارہ کا مطلق امتیاز نہیں رکھا گیا، بلکہ رکوع کا بھی نام ونشان تک نہیں ہے۔ تمام سورہ اور ترجمہ میں آخر تک آیتوں کا شمار جس طرح نصرانی ترجموں میں دستور ہے لکھا ہے۔ یعنی 172 یا 285 وغیرہ آیتوں کا شمار لکھوایا ہے۔ معلوم نہیں کہ قدیم ترتیب ابواب و آیات قرآن مجید میں خان صاحب بہادر نے کیسا نقص دیکھا، جو اس جدید ترتیب کی ضرورت ہوئی...۔[21]

اس کے بعد سرسید کی تفسیر پر ظاہری و معنوی مؤخذات بالترتیب شروع کر دیتے ہیں۔

اس تفصیل کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ برصغیر میں تفسیری ادب میں دو قسم کے کلامی رجحان نمایاں ہوئے:

1 راسخ کلامی رجحان 2 منحرف کلامی رجحان

3 مناظراتی (تقابلی) رجحان

برصغیر پاک وہند میں انیسویں صدی کے ربع آخر اور اس کے مابعد دور میں منظر عام پر آنے والی تفاسیر میں مناظراتی اسلوب بھی ایک اہم اور نمایاں تفسیری رجحان ہے۔

درحقیقت مسلم سلطنت کے سقوط اور انگریزی حکومت کے قیام واستحکام اور نتیجتاً ظہور پذیر ہونے والے سیاسی، تہذیبی، معاشرتی اور فکری و نظریاتی تحدیات نے علماء کرام کو اس اسلوب تفسیر کی طرف مائل کیا۔

برطانوی نو آبادیاتی دور میں اس خطے میں عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کا خوب اہتمام کیا گیا۔ اس امید کے ساتھ کہ سیاسی و عسکری میدان میں شکست سے دوچار دین اسلام کے پیروکار مسیحیت قبول کر لیں گے۔ اس "مقدس مشن" میں عیسائی مشنریوں اور بعض مغربی جامعات کے اساتذہ کے علاوہ انگریز حاکم بھی شامل ہو گئے تھے۔ یہ لوگ اسلام کو عقل و علم اور تہذیب و تمدن کا دشمن اور خون ریز و جنگجو مذہب ثابت کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ مسیحی مبلغین و مستشرقین کے اس گروہ نے اسلامی عقائد و احکام، تہذیبی و معاشرتی اقدار اور بالخصوص پیغمبر گرامی e کی ذات اقدس کو اپنی تنقید و ملامت کا ہدف بنالیا تھا۔[22]

متحدہ صوبہ جات کے حاکم اعلیٰ سر ولیم میور کی کتاب(The life of Mahomet)اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں ان مغربی مبلغین و مستشرقین کے خیالات عالیہ کا ایک بہترین نمونہ ہے۔[23]

ان دو عوامل کے علاوہ تقابلی و مناظراتی رجحان کا ایک اور محرک بڑھتی ہوئی مغربی تہذیب اور جدید عمرانی علوم اور سائنسی و فلسفی افکار کی ترویج و اشاعت تھی۔

ہندو احیائیت کی تحریک آریہ سماج نے بھی اسلام کی حقانیت کو بڑے زور شور سے چیلنج کیا۔ بانی تحریک سوامی دیانند سرسوتی 1883-1827ء اور اس کے ہم خیال ہندوؤں نے اسلام کی تردید میں کثیر کتب تصنیف کیں، جن میں اسلامی عقائد و احکام اور قرآن مجید کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور پیغمبر اقدس کی ذات مبارکہ پر بھی اعتراضات کئے گئے۔[24]

ایک اور چیلنج جو اپنی نوعیت و سنگینی میں ان سے بھی بڑھا ہوا تھا، مرزا غلام احمد قادیانی 1908-1838ء کی نئی نبوت کا ظہور تھا۔ مرزا صاحب نے جہاد کو منسوخ و ممنوع قرار دیا، انگریزی حکومت کی وفاداری کا درس دیا اور عقیدۂ ختم نبوت پر حملہ کرتے ہوئے اس کی انوکھی تفسیر پیش کی۔

گویا نظریاتی و فکری سطح پر اس دور کے علما کے سامنے پانچ قسم کے تحدیات بنیادی نوعیت کے حامل تھے اور انتہائی سنگین تھے:

1 عیسائی تبلیغی سرگرمیاں

2 مغربی تہذیب

3 آریہ سماج و دیگر معترضین کے اسلام اور پیغمبر اسلام پر اعتراضات

4 قادیانی نبوت کا ظہور

5 فرقہ نیچریہ کا ظہور

اس کے علاوہ ہندوستان جیسے کثیر المذاہب خطے میں ان علماکا وجود مسعود بجائے خود ایک محرک تھا، چنانچہ انہی محرکات کے پیش نظر ایسی تفاسیر بھی منظر عام پر آئیں، جن میں علما اکرام نے ان پانچوں تحدیات کا قرآنی رہنمائی میں فکری و نظریاتی سطح پر کھل کر مقابلہ کیا اور علمی طور پر اسلام کا مستحکم دفاع کیا۔ ان محرکات کے تحت لکھی جانے والی تفاسیر میں مذاہب باطلہ کی تردید، تقابل ادیان اور مناظراتی رجحان غالب نظر آتا ہے۔

اس رجحان کی حامل دو تفاسیر سرفہرست ہیں:

1 تفسیر حقانی 2 تفسیر ثنائی

1- تفسیر حقانی: مولانا عبد الحق حقانی (متوفی 1916ء)

اس تفسیر میں نہ صرف یہ کہ اسلامی عقائد واحکام کو ثابت کیا گیا ہے، بلکہ اسلامی نظریات، قرآن حکیم اور پیغمبر اسلام پر مسیحی مبلغین، مستشرقین، اور آریہ سماجیوں کے اعتراضات کا مفصل ومدلل جواب دینے کا بھی اہتمام ہے۔ بلکہ جا بجا بدھ مت، زرتشتی مذہب، یہودیت ونصرانیت اور آریہ سماجیوں کی مذہبی کتب پر نقد بھی کیا ہے اور اسلامی تعلیمات وعقائد کا تفوق ثابت کیا ہے۔

نیز قدیم معتزلہ اور جدید معتزلہ نیچری فرقہ معجزات وغیرہ کے بارے نظریات کی پرزور تردید کی گئی ہے۔ اس تفسیر میں یورپ کے فلسفۂ جدیدہ پر بھی بعض مقامات پر عمدہ مباحث ہیں۔

2- تفسیر ثنائی مولانا ثناء اللہ امر تسری (متوفی 1948ء)

تفسیر ثنائی کے مؤلف حضرت مولانا ثناء اللہ امر تسری برصغیر پاک وہند کی نامور علمی شخصیت تھے۔ ان کا شمار بیسویں صدی عیسوی کے اکابر علماء میں ہوتا ہے۔ آپ بیک وقت مفسر، مدرس، خطیب، ایڈیٹر، مصنف، متکلم اور لاثانی مناظر تھے۔

حضرت مولانا ثناء اللہ نے قرآن مجید کی چار تفاسیر لکھیں:[25]

1 تفسیر القرآن بکلام الرحمن (مکمل) عربی

2 بیان الفرقان علی علم البیان (نامکمل) عربی

3 تفسیر ثنائی (مکمل)، اردو

4 تفسیر بالرأی (نامکمل)، اردو

مولانا ثناء اللہ چونکہ مناظر بھی تھے، اور اپنے عہد کے نامور مناظر تھے، ان کا واسطہ ہر وقت آریہ سماجیوں اور عیسائیوں سے رہتا تھا۔ اس لیے انہوں نے جو تفسیریں لکھیں ان میں سے بالخصوص عربی تفسیر "تفسیر القرآن" اور اردو تفسیر "تفسیر ثنائی" میں مناظرانہ رنگ غالب ہے۔[26]

4 مسلکی رجحان

برصغیر میں اہل السنہ کے تین مسالک معروف ہیں، اور جمہور مسلمان تین مسالک میں سے کسی ایک سے وابستہ ہیں:

1 اہل حدیث 2 دیوبندی 3 بریلوی

ان میں سے ہر ایک مسلک و مشرب عقائد و نظریات میں مخصوص طرز فکر کا حامل ہے۔ ان میں سے بالخصوص اہل حدیث اور بریلوی مکتب فکر کے بنیادی عقائد میں بعض شدید اختلافات ہیں، اس لیے ان کی بعض تفاسیر میں اپنے مسلک کی بھرپور نمائندگی کا رجحان نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اور جہاں بھی کسی آیت کریمہ سے اپنے مسلک کے کسی مخصوص نظریہ کی تائید ہوتی ہو تو اس پر تائیدی حاشیہ لکھتے ہیں۔ اور جس آیت مبارکہ سے دوسرے مسلک کے کسی نظریہ کی "تردید" ہوتی ہو، تو اس پر رد لکھتے ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ کسی مفسر کے اسلوب میں شدت پسندی کا رجحان غالب نظر آتا ہے، اور کسی مفسر کے اسلوب میں اعتدال پسندی کا پہلو غالب دکھائی دیتا ہے۔ اس حوالے سے دو تفاسیر بالخصوص قابل ذکر ہیں۔

الف اہل حدیث مسلک کی نمائندہ تفسیر: احسن البیان

احسن البیان کے مصنف حضرت مولانا حافظ صلاح الدین یوسف بقید حیات ہیں، متعنا اللہ بطول حیاتہ، ان کے مختصر تفسیری حواشی اہل حدیث مکتب فکر میں معروف و متداول ہیں۔ ان کے تفسیری حواشی میں جہاں الفاظ کی سلاست و متانت، فکر و نظر کی وسعت و عمق نمایاں ہے، وہاں اہل حدیث مسلک کی نمائندگی، اور دیوبندی و بریلوی مکتب فکر کی تردید کا رجحان واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں:

1۔ فاتحہ خلف الامام

سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں حافظ صلاح الدین یوسف صاحب لکھتے ہیں:

" سورۃ فاتحہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت ہے، جس کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ فاتحہ کے معنی آغاز اور ابتدا کے ہیں۔ اس لیے اسے الفاتحہ یعنی فاتحۃ الکتاب کہا جاتا ہے۔... اس کا ایک اہم نام "الصلوٰۃ" بھی ہے، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((قسمت الصلاۃ بینی و بین عبدی))[27]

"میں نے صلوٰۃ (نماز) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔"

مراد سورۂ فاتحہ ہے، جس کا نصف حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی رحمت و ربوبیت اور عدل و بادشاہت کے بیان میں ہے۔ اور نصف حصے میں دعا و مناجات ہے، جو بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کرتا ہے۔

اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کو نماز سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں اس کا پڑھنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ نبیe کے ارشادات میں اس کی خوب وضاحت کر دی گئی ہے۔ فرمایا:

لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب[28]

"اس شخص کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔"

اس حدیث میں "مَنْ" کا لفظ عام ہے، جو ہر نمازی کو شامل ہے، منفرد ہو یا امام، یا امام کے پیچھے مقتدی۔ سرّی نماز ہو یا جہری، فرض نماز ہو یا نفل، ہر نمازی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔"[29]

بریلوی مسلک کی تردید

حافظ صاحب محترم جا بجا بریلوی مکتب فکر کے تصورات پر کڑی تنقید کرتے ہیں۔ چنانچہ آیت مبارکہ:

{ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ... }[30] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"شرک کے یہ مظاہر آج بھی عام ہیں، بلکہ اسلام کے نام لیواؤں کے اندر بھی یہ بیماری گھر کر گئی ہے۔ انہوں نے بھی نہ صرف غیر اللہ اور پیروں، فقیروں اور سجادہ نشینوں کو اپنا ماویٰ و ملجا اور قبلۂ حاجات بنا رکھا ہے، بلکہ ان سے ان کی محبت اللہ سے بھی زیادہ ہے اور توحید کا وعظ ان کو بھی اسی طرح کھلتا ہے، جس طرح مشرکین مکہ کو اس سے تکلیف ہوتی تھی..." [31]

2۔ {وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ ...} کی تفسیر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{ وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ○}[32]

"کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے، جو اپنے چرواہے کی صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں (سمجھتے نہیں)، وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، انہیں عقل نہیں۔"

اس کی تفسیر میں حافظ صاحب لکھتے ہیں:

"ان کافروں کی مثال جنہوں نے تقلید آباء میں اپنی عقل و فہم کو معطل کر رکھا ہے، ایسے جانوروں کی طرح ہے، جن کو چرواہا بلاتا اور پکارتا ہے، وہ جانور آواز تو سنتے ہیں، لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ انہیں کیوں بلایا اور پکارا جا رہا ہے؟ اس طرح یہ مقلدین بھی بہرے ہیں کہ حق کی آواز نہیں سنتے، گونگے ہیں کہ حق ان کی زبان سے نہیں نکلتا، اندھے ہیں، کہ حق کو دیکھنے سے عاجز ہیں، اور بے عقل ہیں کہ دعوت حق اور دعوت توحید و سنت کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔"[33]

محترم حافظ صاحب نے تفسیر قرآن میں آیات بینات، احادیث مبارکہ اور اقوال صحابہ کو اس خوبصورتی سے سمویا ہے کہ مختصر تفسیری حواشی میں اسے ہم بجا طور پر تفسیر "الماثور" کی نمائندہ تفسیر کہہ سکتے ہیں۔

ب بریلوی مکتب فکر کی نمائندہ تفسیر: تفسیر نعیمی

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی کے ترجمہ پر سید محمد نعیم الدین مراد آبادی صاحب کے تفسیری حواشی بریلوی مکتب فکر میں معروف و متداول ہیں، جو "تفسیر نعیمی" کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ تفسیری حواشی مخصوص مقامات پر بریلوی مکتب فکر کے مخصوص نظریات کی پرُزور نمائندگی کرتے ہیں۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں:

1۔ {اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ○}[34] کی تفسیر

سید محمد نعیم الدین مراد آبادی صاحب لکھتے ہیں:

"... اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے، عقیدۂ باطلہ ہے، کیونکہ مقربان حق کی امداد الٰہی ہے، استعانت بالغیر نہیں۔"[35]

اہل حدیث مسلک کی تردید

اہل حدیث مسلک کی تردید کرتے ہوئے مذکورہ بالا آیت مبارکہ کی تفسیر میں مزید لکھتے ہیں:

" اگر اس آیت کے وہ معنی ہوتے جو وہابیہ نے سمجھے تو قرآن پاک میں ((أعینونی بقوۃ، اور استعینوا بالصبر والصلوٰۃ)) کیوں وارد ہوتا؟ اور احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی تعلیم کیوں دی جاتی؟"[36]

مسئلہ گیارہویں، فاتحہ، تیجا، چالیسواں

ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَo}[37]

"اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہمارے راہ میں اٹھائیں۔"

اس کی تفسیر میں جناب سید نعیم الدین مراد آبادی صاحب لکھتے ہیں:

"راہ خدا میں خرچ کرنے سے یا زکاۃ مراد ہے، جیسا دوسری جگہ فرمایا: { الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَo} یا مطلق انفاق خواہ فرض وواجب ہو، جیسے زکوٰۃ، نذر، اپنا اور اپنے اہل کا نفقہ وغیرہ، خواہ مستحب ہو، جیسے صدقات نافلہ، اموات کا ایصال ثواب۔"[38]

اس کے بعد مزید سرخی دے کر لکھتے ہیں:

" مسئلہ: گیارہویں، فاتحہ، تیجا، چالیسواں وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں، کہ وہ سب صدقات نافلہ ہیں اور قرآن پاک وکلمہ شریف کا پڑھنا نیکی کے ساتھ اور نیکی ملا کر اجر وثواب بڑھاتا ہے۔"[39]

بریلوی مکتب فکر کی ایک اور نمائندہ تفسیر: "ضیاء القرآن"

پیر کرم شاہ الازہری بریلوی مکتب فکر کی سنجیدہ اور معتدل شخصیت ہیں۔ ان کی تفسیر "ضیاء القرآن" بریلوی مسلک کی موثر نمائندگی کرتی ہے۔ لیکن ان کے اسلوب میں شدت کی بجائے اعتدال ہے۔ تفسیر کے مقدمہ میں پیر صاحب لکھتے ہیں:

"ملت اسلامیہ کا جسم پہلے ہی اغیار کے چرکوں سے چھلنی ہو چکا ہے، ہمارا کام تو ان خونچکاں زخموں پر مرہم رکھنا ہے۔ ان رستے ہوئے ناسوروں کو مندمل کرنا ہے۔ اس کی ضائع شدہ توانائیوں کو واپس لانا ہے، یہ کہاں کی دانشمندی ہے اور عقیدت مندی ہے کہ ان زخموں پر نمک پاشی کرتے رہیں۔ ان ناسوروں کو اور اذیت ناک اور تکلیف دہ بناتے رہیں۔"[40]

اپنا تفسیری اسلوب ورجحان واضح کرتے ہوئے، مزید لکھتے ہیں:

" میں نے پورے خلوص سے کوشش کی ہے کہ ایسے مقامات پر افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اپنے مسلک کی صحیح ترجمانی کر دوں، جو قرآن کریم کی آیات بینات احادیث صحیحہ یا امت کے علماحق کے ارشادات سے ماخوذ ہے۔"[41]

اس کے بعد اپنے مسلک کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تاکہ نادان دوستوں کی غلط آمیزیوں یا اہل غرض کی بہتان تراشیوں کے باعث حقیقت پر جو پردے پڑ گئے ہیں، وہ اٹھ جائیں اور حقیقت آشکار ہو جائے۔ بفضلہ تعالیٰ اس طرح بہت سے الزامات کا خود بخود ازالہ ہو جائے گا، اور ان لوگوں کے دلوں سے یہ غلط فہمی دور ہو جائے گی، جو غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ واقعی ملت کا ایک حصہ شرک سے آلودہ ہے یا ان کے اعمال اور مشرکین کے اعمال میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ العیاذ باللہ۔

خداوند کریم ہمارے حال زار پر رحم فرمادے اور دلوں کو حسد اور نفرت کے جذبات سے پاک کر کے ان میں محبت و الفت پیدا فرمادے۔ وھو علی کل شئ قدیر۔"[42]

مسئلہ توسل اور تفسیر ضیاء القرآن

اپنے بریلوی مسلک کی ترجمانی کے لیے حضرت شاہ صاحب نے جو اسلوب اختیار کیا ہے۔ مسئلہ توسل پر ان کے تفسیری افادات، اس اسلوب کی بہترین عکاسی کرتے ہیں۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کی تفسیر میں شاہ صاحب محبوبان الٰہی کی دعائوں کی اہمیت واضح کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" تو اب اگر کوئی شخص ان محبوبان الٰہی کی جناب میں خصوصاً حبیب کبریاء علیہ التحیۃ والثناء کے حضور میں کسی نعمت کے حصول میں یا کسی مشکل کی کشود کے لیے التماس دعا کرتا ہے، تو یہ بھی استعانت بالغیر اور شرک نہیں بلکہ عین اسلام اور عین توحید ہے۔

ہاں اگر کسی ولی، شہید یا نبی کے متعلق کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ یہ مستقل بالذات ہے اور خدا نہ چاہے تب بھی کر سکتا ہے، تو یہ شرک ہے اور ایسا کرنے والا مشرک ہے۔ اس حقیقت کو حضرت شاہ عبد العزیز نے نہایت بسط کے ساتھ اپنی تفسیر میں رقم فرمایا ہے۔ اور اس کا ماحصل مولانا محمود حسن صاحب نے اپنے حاشیہ قرآن میں ان جامع الفاظ میں بیان کیا ہے:

" اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا، کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے، کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔"

اور اس طرح کی استعانت تو پاکان امت کا ہمیشہ سے معمول رہا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ جناب رسالتمآب میں عرض کرتے ہیں:

ے و أنت مجیری من ھجوم مُلِمَّۃٍ
اذا انشبت فی القلب شر المخالب

یارسول اللہ! حضور مجھے پناہ دینے والے ہیں، جب مصیبتیں ٹوٹ پڑیں اور دل میں اپنے بے رحم پنجے گاڑ دیں۔

بانی دارالعلوم دیوبند عرض کرتے ہیں:

ے مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامئ کار[43]

5 فقہی رجحان

فقہی احکام و مسائل میں بر صغیر کے دو معروف مسالک ہیں:

1 فقہ حنفی 2 فقہ اہل حدیث

بعض تفاسیر میں خصوصی طور پر فقہی مسائل کا رجحان غالب نظر آتا ہے۔

فقہ حنفی کی نمائندہ تفسیر "معارف القرآن"

فقہ کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو مولانا مفتی محمد شفیع a کی تفسیر "معارف القرآن"، آیات الأحکام میں فقہ حنفی کی بہترین نمائندگی کرتی ہے۔

فقہ اہل حدیث کی نمائندہ تفسیر "تیسیر القرآن"

تیسیر القرآن، نامور مصنف مولانا عبد الرحمن کیلانی کی تفسیر ہے۔ جو کہ آیات الأحکام میں اہل حدیث مکتب فکر کی بہترین نمائندگی کرتی ہے۔

6 تلاش نظم کا ادبی رجحان: فراہی مکتب فکر

بر صغیر کا ایک منفرد اور نمایاں تفسیری رجحان تلاش نظم کا رجحان ہے۔ اگرچہ ربط و مناسبت کا اظہار بر صغیر کی متعدد تفاسیر میں پایا جاتا ہے، لیکن ادب جاہلی کے شعری شواہد کی بنیاد پر معانی و اسالیب کی تعیین اور جامع نظام القرآن کی تلاش فراہی مکتب فکر کا امتیازی خاصہ ہے۔

7 تحریکی رجحان: تفہیم القرآن، سید ابو الاعلی مودودیؒ

بر صغیر میں مسلم سلطنت کے سقوط، انگریزی تسلط اور مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کے پس منظر میں جو تحریکیں اور تنظیمیں میدان عمل میں اتریں۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ ان میں سے ایک معروف

تحریک "جماعت اسلامی" کے بانی ہیں۔ مولانا مودودیؒ ایک خاص طرز فکر اور اسلام کی ایک خاص تعبیر کے داعی تھے۔ ان کی نامور تفسیر "تفہیم القرآن" میں اس خاص طرز فکر اور اسلام کی مخصوص تعبیر کی نمایاں جھلک دکھائی دیتی ہے۔

اگر "تفہیم القرآن" کو قرآن مجید اور تفسیر قرآن کی تحریکی تعبیر قرار دیا جائے تو عین قرین انصاف ہو گا۔

خود مولانا مودودیؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں قرآن مجید کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے صراحۃً لکھا ہے کہ قرآن مجید کا بنیادی موضوع "زندگی کو نظام خدا کی ہدایت پر قائم کرنا اور دنیا کی اصلاح کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔"

مولانا مودودی قرآن مجید کے موضوع اور انبیا کی تاریخ دعوت بیان کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:

" آخر کار خداوند عالم نے سرزمین عرب میں محمد ﷺ کو اس کام کے لیے مبعوث کیا، جس کے لیے پچھلے انبیا آتے رہے۔ ان کے مخاطب عام انسان بھی تھے اور پچھلے انبیا کے بگڑے ہوئے پیرو بھی۔ سب کو صحیح رویہ کی طرف دعوت دینا، سب کو از سر نو خدا کی ہدایت پہنچا دینا اور جو اس دعوت، ہدایت کو قبول کریں، انہیں ایک ایسی امت بنا دینا، ان کا کام تھا، جو ایک طرف خود اپنی زندگی کا نظام خدا کی ہدایت پر قائم کرے اور دوسری طرف دنیا کی اصلاح کے لیے جدوجہد کرے۔ ایسی دعوت اور ہدایت کی کتاب یہ قرآن ہے، جو اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔[44]

سورتوں کا پس منظر اور شان نزول بیان کرتے ہوئے بھی مولانا مودودیؒ اسلامی تحریک کے مختلف مراحل پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کے نزدیک اسلام کے مختلف دعوتی مراحل تھے:

1۔ ابتدائی مرحلہ: " اس میں دعوت کے پیغامات "چند چھوٹے چھوٹے مختصر بولوں پر مشتمل ہوتے تھے۔"[45]

2۔ دوسرا مرحلہ: " اس مرحلے میں اسلام کی اس تحریک اور پرانی جاہلیت کے درمیان ایک سخت جاں گسل کشمکش برپا ہوئی، جس کا سلسلہ آٹھ نو سال تک چلتا رہا۔"[46]

"اس طویل اور شدید کشمکش کے دوران اللہ تعالیٰ حسب موقع اور حسب ضرورت اپنے نبی پر ایسے پرجوش خطبے نازل کرتا رہا، جن میں دریا کی سی روانی، سیلاب کی سی قوت اور تیز و تند آگ کی سی تاثیر

تھی۔ ان خطبوں میں ایک طرف اہل ایمان کو ان کے ابتدائی فرائض بتائے گئے، ان کے اندر جماعتی شعور پیدا کیا گیا..."[47]

آگے چل کر لکھتے ہیں:

" یہ ہے قرآن مجید کی مکی سورتوں کا پس منظر۔"[48]

3۔ تیسرا مرحلہ: " اس مرحلے میں حالات کا نقشہ بالکل بدل گیا، امت مسلمہ ایک باقاعدہ ریاست کی بنا ڈالنے میں کامیاب ہوگئی۔ پرانی جاہلیت کے علمبرداروں سے مسلح مقابلہ ہوا۔"[49]

مزید لکھتے ہیں:

" اس مرحلے کی بھی مختلف منزلیں تھیں اور ہر منزل میں اس تحریک کی مخصوص ضرورتیں تھیں۔ ان ضرورتوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی تقریریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی رہیں، جن کا انداز کبھی آتشیں خطابت کا، کبھی شاہانہ فرامین واحکام کا، کبھی معلمانہ درس وتعلیم کا اور کبھی مصلحانہ افہام وتفہیم کا ہوتا تھا...۔"[50]

مولانا کے نزدیک یہ مدنی سورتوں کا پس منظر ہے۔[51]

پس منظر واضح کرنے کے بعد مولانا مودودیa لکھتے ہیں:

" اس بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید ایک دعوت کے ساتھ اترنا شروع ہوا، اور وہ دعوت اپنے آغاز سے لے کر اپنی انتہائی تکمیل تک تیئیس سال کی مدت میں جن جن مرحلوں اور جن جن منزلوں سے گزرتی رہی، ان کی مختلف النوع ضرورتوں کے مطابق قرآن کے مختلف حصے نازل ہوتے رہے۔"[52]

ایک اور موقع پر مضامین قرآن میں تکرار کی توجیہہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ایک دعوت اور عملی تحریک کا فطری اقتضا یہ ہے کہ وہ جس وقت، جس مرحلے میں ہو، اس میں وہی باتیں کہی جائیں جو اس مرحلے سے مناسبت رکھتی ہوں۔"[53]

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

" یہ ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے۔"[54]

درج بالا تمام اقتباسات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مودودیؒ قرآن مجید کو خالصۃً دعوتی اور تحریکی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ وہ خود ایک تحریک اور جماعت کے بانی بھی ہیں، جن

کی تربیت لامحالہ وہ قرآن مجید کی روشنی میں کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے بجا طور پر ان کی تفسیر کو "تحریکی رجحان" کی نمائندہ بلکہ بانی تفسیر کہا جا سکتا ہے۔

8۔ لغوی رجحان

اگر قرآن مجید کے مفردات و الفاظ کی تشریحات اور لغوی تحقیقات کو تفسیر ہی کی ایک قسم شمار کیا جائے، تو اس لحاظ سے بر صغیر کو خدمت قرآن میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ قرآن مجید کی لغات اور شرح مفردات پر یہاں مستقل کتب بھی لکھی گئی ہیں، اور کچھ عربی تصنیفات کے تراجم بھی کیے گئے ہیں۔ تفسیر کے ذیل میں لغت کی تشریحات تو تقریباً ہر مفسر کے ہاں کم و بیش پائی جاتی ہیں۔ لغوی تشریحات کے ساتھ اعراب، نحوی مباحث اور فنی تراکیب بھی یہاں کے تفسیری ادب میں پائی جاتی ہیں۔ مولانا عبد الرحمن کیلانی کی "مترادفات القرآن" اس حوالے سے ایک خاص مقام کی حامل ہے۔ دینی مدارس کی درسی ضروریات کے پیش نظر، نحو و صرف کی تطبیق و اجراء کے لیے، صرف عمومی تراکیب اور صرفی تشریحات پر مستقل کتب بھی منظر عام پر آئی ہیں۔

9۔ درسی و فنی رجحان

قدیم دینی مدارس میں تفسیر کشاف، نسفی اور بیضاوی وقتاً فوقتاً شامل نصاب ہیں، تفسیر بیضاوی اب تک شامل نصاب ہے، اس کی اردو شروح اور حواشی میں بنیادی طور پر منطق و فلسفہ، لغت و نحو اور صرف و بلاغت کے مسائل مذکور ہوتے ہیں۔ ایک لحاظ سے اس رجحان میں فنی مباحث کو تفسیر قرآن پر جاری کرنا بنیادی مقصود ہوتا ہے۔

10۔ اشاری رجحان

شاہ ولی اللہؒ سے قبل کے بر صغیر میں یہ رجحان ایک نمایاں تفسیری رجحان رہا ہے۔ اور شاہ ولی اللہؒ کے بعد مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر "بیان القرآن" میں "مسائل السلوک" کے نام سے ایک متعد بہ حصہ اشاری رجحان کی نمائندگی کرتا ہے۔

11۔ قراءات کا رجحان

قراءات پر مستقل تفسیر تو معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ تفسیر مظہری اور بیان القرآن میں بالخصوص قراءات سے خاطر خواہ استفادہ کیا گیا ہے اور متفرق قراءات بیان بھی کی گئی ہیں۔

قراءات چونکہ دینی مدارس میں مستقلاً پڑھائی جاتی ہیں، اور ان کے الگ شعبے قائم ہیں، اس لیے قراءات کی حجیت اور وضاحت کے متعلق جو کتب تصنیف کی گئیں یا جو مضامین تحریر کیے گئے ہیں۔ ان میں جابجا قرآنی آیات مبارکہ کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ایسی کتب و مضامین کو ہم قراءات کے رجحان کا حامل تفسیری ادب شمار کر سکتے ہیں۔

12۔ جامع رجحان

مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر "بیان القرآن" اردو تفسیری ادب میں ایک خاص مقام کی حامل تفسیر ہے۔ اس میں نحو و اعراب کی توجیہہ بھی ہے، اور لغت و مفردات کی تشریح بھی، قراءات کی وضاحت بھی ہے اور مسائل تصوف و سلوک کا بیان بھی، فقہی احکام و مسائل پر کلام بھی ہے اور ایمانیات و عقائد پر سیر حاصل گفتگو بھی، احادیث و آثار کا ذخیرہ بھی ہے اور اسباب نزول و ربط و مناسبت کا اہتمام بھی، ادیان و فرق باطلہ کی تردید بھی ہے اور ایک خاص فقہی مکتب کی نمائندگی بھی۔ اس لیے ہم اسے جامع تفسیری رجحان کی حامل تفسیر کہہ سکتے ہیں۔ تفسیر مظہری اور ماجدی میں بھی ایک درجہ جامعیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

13۔ ادبی اجتماعی رجحان

ابو الکلام کی قادر الکلامی، مخصوص انشاء پردازی، بلیغانہ اسلوب تحریر اور امت اسلامیہ کو اجتماعی طور پر قرآن کا منشور پہنچانے کی تڑپ ایک خاص تفسیری رجحان کی غمازی کرتا ہے، جسے ہم "ادبی اجتماعی رجحان" کہہ سکتے ہیں۔

14۔ صناعت لفظی کا رجحان

فیضی کی "سواطع الالہام" اس رجحان کی نمائندگی کرتی ہے۔

15۔ نعتی رجحان

برصغیر کے ایک مفسر حاجی عبد الوہاب بخاری متوفی 1525ء[55] نے عربی زبان میں ایک تفسیر لکھی۔ اس تفسیر کی ندرت یہ ہے کہ قرآن کریم کی ہر آیت سے نبی کریم ﷺ کی نعت و منقبت ثابت کرتے ہیں۔ اس طرح صاحب تفسیر کے نزدیک پورا قرآن مجید نعت نبوی سے عبارت ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حب نبوی میں سرشار ہو کر یہ تصنیف لکھی گئی ہے۔

سید عبد الحئ حسنی لکھتے ہیں:

"شاید انہوں نے اسے غلبہ حال میں لکھا ہے، کیونکہ اکثر امور جو انہوں نے ذکر کیے ہیں صحیح نہیں ہیں۔"[56]

16 انحرافی نیچری رجحان

سر سید احمد خاں کی "تفسیر القرآن" اس رجحان کی نمائندہ تفسیر ہے۔

17 انحرافی اشتراکی رجحان

غلام احمد پرویز کی "تفسیر مطالب الفرقان" میں جابجانظام ربوبیت کے غلاف میں اشتراکی نظریات کو قرآنی آیات سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

18 انحرافی قادیانی رجحان

مرزا غلام احمد قادیانی اوران کے متبعین کی تاویلاتِ بعیدہ ایک الگ رجحان کی حامل ہیں اور وہ اسی رجحان کی نمائندگی کرتی ہیں۔

19 لامنہجی (تقصیری) رجحان

عصر حاضر کے کچھ ایسے صحافی، ریٹائرڈ فوجی افسران، پروفیسرز، اداریہ نگاران اور بزعم خود دانشوراں بھی "تفسیر قرآن" کا "فرض" ادا کررہے ہیں، جن کے پاس سرے سے نہ مطلوبہ اہلیت ہی موجود ہے اور نہ کوئی مخصوص منہج اور نہ وہ کسی اہل علم سے رابطے کی زحمت گوارا کرتے ہیں۔ اگرچہ اس لامنہجی رجحان کی کوئی مستقل تفسیر تو نظر سے نہیں گزری، البتہ بعض تمدنی، قانونی اور معاشرتی مسائل میں اخبارات کے صفحات اور رسائل وجرائد میں ان کی "نکتہ آفرینیاں" مطالعہ سے گزرتی رہتی ہیں۔

اس طرز کے "نکات ومعارف" کو لامنہجی تقصیری رجحان کہا جاسکتا ہے۔ "لامنہجی" اس لیے کہ وہ منہج سے آشنا ہی نہیں، اور "تقصیری" اس لیے کہ وہ آداب تفسیر اور ادوات تفسیر دونوں ہی سے قاصر اور تہی دامن ہوتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے اپنے مخصوص میدان میں کامل مہارت حاصل کرنے کے بعد وہ "تفسیر قرآن" میں اپنا حصہ ڈالنا بھی "فرض" سمجھتے ہیں، اور امت کو نئے نئے "حقائق" سے متعارف کرواتے رہتے ہیں۔

20 انحرافی شیعی رجحان

شیعہ مکتب فکر کی ایسی تفاسیر جو اہل السنہ کے عقائد و تعبیرات سے منحرف ہوں، انہیں ہم انحرافی شیعی رجحان کی حامل تفسیر کہہ سکتے ہیں۔

21 اعجازی سائنسی رجحان

جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں قرآن مجید کی تشریحات و تفسیرات، اور اس حوالے سے اعجاز القرآن کا اثبات بھی ایک اہم اور نمایاں رجحان ہے۔ اگرچہ اس حوالے سے کوئی مستقل تفسیر نظر سے نہیں گزری، لیکن اس مناسبت سے کتابیں منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔

حوالہ جات و حواشی

---

[1]۔ القاموس، فیروز آبادی، 1/218

[2]۔ ابن منظور، "لسان العرب"، مادة وجه، طبعة دار صادر.

[3]۔ د. الرومي: "اتجاهات التفسير في القرن الرابع عشر" ج: 1، ص: 22 طبعة الرئاسة العامة للبحوث العلمية بالرياض، الطبعة الأولى 1407ھ.

[4]۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: اتجاهات التجديد في تفسير القرآن الكريم، د. محمد ابراهيم شريف، ص 60_63، دار السلام، القاهرة، ط. اولى، 2008

د. الرومي: "اتجاهات التفسير في القرن الرابع عشر" ج: 1، ص: 22 طبعة الرئاسة العامة للبحوث العلمية بالرياض، الطبعة الأولى 1407ھ.

[5]۔ الفوز الكبير، ص ۲۷۔

[6]۔ ملاحظہ ہو: التفسیر والمفسرون، ۱/۹۵ تا ۲۴۰

[7]۔ درج بالا چھ رجحانات کی تفصیل، نمائندہ شخصیات اور اہم تفسیروں کے لیے ملاحظہ ہو: التفسیر والمفسرون، ۲/۲۲۸-۴۰۸۔

[8]۔ علی سبیل المثال: تلاش نظم کا فراہی مکتب اور اس کا تفسیری رجحان اس کی نظیر عربی تفسیری ادب میں بھی نہیں ملتی۔ اسی طرح برصغیر کے مخصوص تہذیبی پس منظر اور کثیر المذاہب خطہ ارضی ہونے کے ناطے رد مذاہب باطلہ کا مخصوص تفسیری ادب اور مستقل رجحان بھی یہاں کا ایک امتیازی رجحان ہے۔

[9]۔ تفسیر مواہب الرحمن، (الفاتحہ) ۱۳/۱۔
[10]۔ تفسیر مواہب الرحمن (الفاتحہ)، ۱۶-۱۵/۱۔
[11]۔ ایضاً، ۱۶/۱۔
[12]۔ ایضاً، ۱۶/۱۔
[13]۔ ایضاً، ملاحظہ ہو: ۱۳ تا ۲۰۔
[14]۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: حوالہ مذکورہ بالا۔
[15]۔ دیکھیے: "آپ بیتی"، عبد الماجد، دریابادی، ص۲۵۵-۲۵۴۔
[16]۔ دیکھیے: "برصغیر میں تفسیر قرآن کا کلامی اسلوب"، محمد ارشد (مدیر: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب لاہور)، سہ ماہی فکر و نظر، جلد ۴۱، شمارہ نمبر ۳، ص ۲۲ تا ۲۴۔
[17]۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: حوالہ مذکورہ بالا۔
[18]۔ ابو المنصور محمد ناصر الدین: ان کے حالات و علمی سرگرمیوں کے لیے ملاحظہ ہو: "سید ناصر الدین ابو المنصور دہلوی اور مسیحی مسلم مناظراتی ادب"، در ماہنامہ، "عالم اسلام اور عیسائیت، (اسلام آباد)، اگست ۱۹۹۲، ص-۵ ۱۴۔
[19]۔ تنقیح البیان، مطبع نصرت المطابع، دہلی سے شائع ہوئی۔ سنہ طباعت ۱۹۹۸ھ / ۱۸۸۱ء مرقوم ہے۔ درمیانی تقطیع کے ۲۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ مقالہ نگار کے پاس اس کی فوٹو کاپی محفوظ ہے۔ یہ وہ سب سے پہلی تفسیر ہے جو تفسیر القرآن، سرسید احمد خان کی تردید میں لکھی گئی۔
[20]۔ تنقیح البیان، ص ۲۔
[21]۔ ایضاً، ص ۳۔
[22]۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: "موج کوثر" شیخ محمد اکرام، ص ۱۵۸-۱۵۶، (Christian Mission in North India) آر۔ پی شرما (متل پبلیکیشنز، دہلی، ۱۹۸۸، برصغیر میں تفسیر قرآن کا کلامی اسلوب، محمد ارشد، سہ ماہی فکر و نظر، جلد ۴، شمارہ نمبر ۳، ص ۱۷-۱۶، وحاشیہ نمبر ۳۸۔
[23]۔ (The life of Mahomet and the history of Islam to the Era of Hegira) چار جلدوں میں لنڈن سے ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئی۔
[24]۔ برصغیر میں تفسیر قرآن کے کلامی اسلوب، محمد ارشد، در، "سہ ماہی فکر و نظر، جلد ۴، شمارہ نمبر ۳، ص ۱۷۔

[25]۔ ان کے تفصیلی تعارف کے لیے ملاحظہ ہو: قرآن پاک کی تفسیریں چودہ سو برس میں،(خدا بخش لائبریری، طبع ۱۹۸۹ء) ص ۳۰۴۔

[26]۔ "تفسیر ثنائی اور رد مذاہب باطلہ" تاج الدین ازہری (اسسٹنٹ پروفیسر کلیہ اصول دین، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد) در "فکر و نظر" کا خصوصی شمارہ "برصغیر میں مطالعہ قرآن" جلد ۳۰، شمارہ نمبر ۳-۴، ص ۲۹۱۔

[27]۔ الحدیث۔ صحیح مسلم۔ کتاب الصلوٰۃ۔

[28]۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب وجوب القراءۃ... الخ۔

[29]۔ تفسیر احسن البیان، ص ۵۶۔

[30]۔ البقرۃ، ۲:۱۶۵۔

[31]۔ تفسیر احسن البیان، ص ۱۰۹۔

[32]۔ البقرۃ، ۲:۱۷۱۔

[33]۔ تفسیر احسن البیان، ص ۱۱۱۔

[34]۔ الفاتحہ، ۱:۴۔

[35]۔ تفسیر نعیمی، ص ۳۔

[36]۔ ایضاً۔

[37]۔ البقرۃ، ۲:۳۔

[38]۔ تفسیر نعیمی، ص ۴۔

[39]۔ ایضاً۔

[40]۔ ضیاء القرآن، ۱/۱۱۔

[41]۔ ضیاء القرآن، ۱/۱۱۔

[42]۔ حوالہ مذکورہ۔

[43]۔ تفسیر ضیاء القرآن، ۱/۲۵۔

[44]۔ تفہیم القرآن، (مقدمہ) ، ۱/۱۹۔

[45]۔ تفہیم القرآن، (مقدمہ) ، ۱/۲۱۔

[46]۔ ایضاً،۲۱/ا۔

[47]۔ ایضاً،۲۳/ا۔

[48]۔ ایضاً،۲۴/ا۔

[49]۔ تفہیم القرآن،۲۴/ا۔

[50]۔ حوالہ مذکورہ۔

[51]۔ ایضاً،ا/ ۲۵۔

[52]۔ مقدمہ تفہیم القرآن، ا/ ۲۵

[53]۔ ایضاً

[54]۔ ایضاً

[55]۔ ان کی پیدائش اور تعلیم وتربیت ملتان میں ہوئی۔ سکندر لودھی کے زمانہ میں دہلی منتقل ہوئے، اور اپنی عربی تفسیر یہیں مکمل کی۔ (ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، سالم قدائی، ص۳۶)۔

[56]۔ نزہۃ الخواطر، ۲۲۳/۴۔